تاریخِ طبری کے مآخذ

[نوشتہ : ڈاکٹر جواد علی ، عراق اکادمی ، بغداد
ترجمہ : نثار احمد فاروقی ، دہلی یونی ورسٹی ، دہلی ۷]

(۵)

(گذشتہ سے پیوستہ)

یہ نظریہ جو تاریخ کو افراد کے عمل کا نتیجہ سمجھتا ہے، آج تک لکھنے والوں کے ذہن پر حکومت کر رہا ہے۔ خاص طور سے اُن ملکوں میں جہاں مخصوص نظریات یا مخصوص اقوام کی حکومت ہے۔ جس زمانے میں خلفاء یا ملوک و سلاطین قوموں پر حکومت کرتے تھے اور جنگی معاملات کو چلاتے تھے، ہم الطبری سے یہ توقع نہیں کر سکتے کہ وہ تفسیرِ تاریخ میں کسی اور مسلک پر چلے گا، جیسا کہ ہم یہ توقع نہیں کر سکتے کہ ایسی تفسیر الطبری کے سوا کسی اور شخص کی طرف سے کی گئی ہو۔ کیوں کہ آٹھویں صدی کے آخر تک دنیا میں رائے عامہ کو یا اقوام کو قوت حاصل نہیں تھی تا آنکہ مورخوں نے اس کا ادراک کیا اور پھر اُن کی توجہ تاریخ کے سیاسی اور عسکری عوامل کی طرف مبذول ہوئی۔ یہ افسوس کی بات ہے کہ الطبری نے اپنی تالیفات میں اپنی تاریخ کے آغاز کا سال نہیں بتایا ہے، نظر بظاہر پہلے اس نے املا کرانا شروع کیا تھا جب وہ ۲۰۲ھ کے واقعات تک پہنچا تو اس نے املا کرانا بند کر دیا۔ اور ایک روایت سے جسے الذہبی نے اپنی کتاب تذکرۃ الحفاظ میں نقل کیا ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ "ابنِ جریر نے اپنے اصحاب سے کہا : کیا تم دنیا کی تاریخ لکھنے کے لئے تیار ہو؟ انھوں نے پوچھا : کتنے صفحوں میں آجائے گی؟

الطبری نے کہا تقریباً تیس ہزار ورق ہوں گے۔ انھوں نے کہا: اس کے ختم ہونے سے پہلے تو عمریں تمام ہو جائیں گی۔ اس نے کہا: انا للہ..... تم تو ابھی سے ہمت ہار بیٹھے۔ پھر اس نے املا کرانا شروع کیا اور تقریباً تین ہزار اوراق لکھوائے۔ پھر جب اس نے اپنی تفسیر املا کرانے کا ارادہ کیا، اس نے ان لوگوں سے وہی بات کہی۔ پھر اسے بھی تاریخ کی طرح (تین ہزار صفحوں میں) املا کرایا...."[1]

زمانۂ آغاز الطبری نے تفسیر سے پہلے تاریخ لکھی تھی۔ اور یہ بات ان روایات کے برعکس ہے جو اُن کتابوں میں ملتی ہیں جن میں الطبری کا ترجمہ شامل ہے۔ کتبِ تراجم میں ہے کہ الطبری نے پہلے تفسیر لکھی اور پھر تاریخ کی تالیف کی[2] یہ بات پہلی روایت سے باعتبارِ واقعہ زیادہ قریب ہے۔ معروف تو یہی ہے کہ الطبری نے چاہا تھا کہ اس کی تاریخ تفسیر کی معاون اور تکمیل کرنے والی ہو۔ جسے وہ اس کے بعد ہی لکھنے والا تھا[3] اس بات کی تصدیق خود الطبری بھی کرتا ہے، چنانچہ اس نے اپنی تاریخ میں اشارہ کیا ہے کہ اس کی تفسیر تیار تھی جب اس نے تاریخ لکھنی شروع کی ہے۔ "اس بارے میں بہت سے اقوال ہیں اور ان میں سے چند ہم نے اپنی کتاب موسوم بہ جامع البیان عن تاویل آی القرآن میں بیان کر دیئے ہیں، یہاں ہم نے موضوع کی طوالت کے خوف سے ان کا اعادہ پسند نہیں کیا۔"[4]

جب الطبری نے بغداد میں، ایک روایت کے مطابق ۲۷۰ھ میں اور دوسری کے مطابق ۲۸۳ھ میں اپنی تفسیر لکھوانی شروع کی، اور سات سال تک اسے املا کراتا رہا یہاں تک کہ ۲۹۰ھ میں اسے تمام کیا۔ تو یقینی ہے کہ الطبری نے اس کا آغاز ۲۷۰ھ کے بعد کیا ہوگا، اور شہر بغداد میں اپنے زمانۂ قیام میں، جبکہ اس کے پاس تاریخ کا وافر مواد اکٹھا ہو چکا تھا وہ اس کے املا سے ۲۷ ربیع الاوّل ۳۰۳ھ کو بدھ کے دن فارغ ہوا۔[5]

---

[1] الذہبی: تذکرۃ الحفاظ ۲/۲۵۲۔ [2] الارشاد ۶/۴۲۳ وبعد۔

[3] دائرۃ المعارف الاسلامیہ ۴۹۴ [4] الطبری ۱/۴۵ (طبعِ مصر) ص ۵۰ (طبعِ لیدن)

[5] الارشاد ۶/۴۲۵ "ابوبکر بن بالویہ نے کہا: مجھ سے ابوبکر محمد بن اسحاق یعنی ابن خزیمہ نے کہا: "میں نے سنا ہے کہ تم نے محمد بن جریر کی تفسیر لکھی ہے۔ میں نے کہا: ہاں، ہم نے اس کی تفسیر لکھی ہے۔ اس نے پوچھا: پوری؟ میں نے کہا: ہاں۔ پوچھا: کس سنہ میں، میں نے کہا ۲۸۳ھ سے ۲۹۰ھ تک۔

نیز DE GOEJE: ANNALES. INTRODUCTIO. P. LXXVIII

فارسی ترجمہ | تاریخ الرسل والملوک اپنی اہمیت کی وجہ سے ابو صالح منصور بن احمد بن اسماعیل بن سامان السامانی کے حکم سے فارسی میں ترجمہ ہوئی۔ منصور سامانی اس تاریخ کو بہت پسند کرتا تھا اور اکثر مطالعہ میں رکھتا تھا۔ یہ فارسی ترجمہ ۳۵۲ھ میں ہوا اور اسے محمد بن عبداللہ البلعمی نے کیا تھا جس نے چوتھی صدی ہجری کے نصف آخر میں وفات پائی۔[1]

البلعمی نے اپنے ترجمے کے مقدمے میں ان اصولوں اور طریق کار کی وضاحت کی ہے جو اس نے ترجمے کے سلسلے میں ملحوظ رکھا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "میں نے بغیر اسناد کے اخبار نقل کرنے میں احتیاط برتی ہے۔ اور جو اس کتاب میں کسی پیغمبر یا کسی بادشاہ کے بارے میں لمبی چوڑی سندیں دی گئی ہیں انھیں چھانٹ دیا ہے..." پھر وہ لکھتا ہے: "میں اس کتاب کو ترجمہ کر رہا ہوں اور اس کا مقابلہ التقسیم الکبیر سے کر رہا ہوں، اور جہاں ضروری سمجھتا ہوں قصوں کی ترتیب میں تقدیم و تاخیر بھی کر دیتا ہوں تاکہ ہر قصہ اسی نہج پر آجائے اور ہر خبر اسی انداز سے بیان ہو اور پھر ہر شے کا موازنہ اس سے کر کے دیکھ لیتا ہوں اور الکبیر ہی کے اسلوب پر اس کی جمع و ترتیب کر دیتا ہوں۔ میں نے اس کتاب کو اخبار انبیاء اور اخبار ملوک کے ابواب میں تقسیم کر کے پھر اسے ترتیب زمانی دے دی ہے۔ ..."[2]

---

[1] دیکھو ترجمہ: البلعمی، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد ۱ صفحہ ۶۱۳ - ۶۱۴

براؤن: تاریخ ادبیاتِ ایران (انگریزی) جلد ۱ ص ۶۱۴

نیز ملاحظہ ہو: الانساب للسمعانی اور دستور الوزراء: خوندمیر ص ۱۰۸ (طبع ایران)

کشف الظنون ۱/۲۹۷ - العتبی: تاریخ یمینی بعنایتہ (مینن) القاہرہ ۱۲۸۶ھ

ریو کہتا ہے کہ البلعمی ۳۸۶ھ میں مرا۔ لیکن دراصل اسے ایک دوسرے شخص کے نام سے التباس ہوا ہے۔

دیکھیے: ریو: کیٹلاگ مخطوطات برٹش میوزیم جلد ۱ ص ۷۰

[2] J.L.G. ROSEGARTEN : TABERISTANENIS ID EST ABU DSCHAFERI MOHAMMED BEN DSCHERIR ETTABERI ANNALES REGUM ATQUE LEGATORUM DEI CRYPHISVALDIAE MDCC XXXI P XI

اسی ترجمے کی بنیاد پر ترکی زبان کا ترجمہ امیر الامراء احمد باشا کے عہد میں کیا گیا۔ پھر دوسرا ترجمہ ۹۲۸ھ اور ۹۳۸ھ کے مابین ہوا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تاریخِ طبری کی مانگ بہت زیادہ تھی اور اس کے نسخے بہت تھوڑی تعداد میں ملتے تھے بلکہ بعض علاقوں میں تو یہ نادر کا حکم رکھتے تھے، اسی لئے خضر بن خضر الحاج حسن الآمدی نے اسے فارسی زبان سے پھر عربی میں ترجمہ کر ڈالا، اس ترجمے کو اصل سے مطلق نسبت نہیں ہے، مگر مستشرقین نے جب تاریخِ طبری کے چھاپنے کا آغاز کیا تو اس سے بھی مدد لی[1] جس طرح انھوں نے دوسرے ناقص نسخوں سے مدد لی تھی کیوں کہ انھیں اس تاریخ کا کوئی مکمل نسخہ دستیاب نہیں ہوا تھا۔ اور یورپ میں چھپا ہوا نسخہ اب تک کے مطبوعہ نسخوں میں سب سے زیادہ صحیح ہے، مگر وہ بھی ناقص ہے۔ اس کے بعد کچھ حصّے مخطوطات کی شکل میں ایسے دستیاب ہوئے جو ناشروں کی دسترس میں نہ تھے اور ممکن ہے کہ مستقبل میں کچھ اور حصّے بھی ملیں۔ لیکن بظاہر یہ بطور مجموعی کتاب کا کوئی اہم نقص نہیں ہے نہ اس سے نسخۂ مطبوعہ کی قدر و قیمت میں کمی واقع ہوتی ہے نہ اُن نسخوں کی اہمیت گھٹتی ہے جو مشرقی ممالک میں نسخۂ یورپ کی مدد سے چھاپے گئے ہیں[2]

یہ کتاب پڑھنے کے لائق ہے اور اس قابل ہے کہ اس کا تنقیدی مطالعہ کیا جائے، یہ اُن بہت سی تاریخی کتابوں کی طرح ہے جن کا ابھی تک جدید نظریاتِ نقد کی روشنی میں گہرا مطالعہ نہیں کیا گیا۔ یہ اُن کتابوں کی طرح نہیں ہے جو اس سے پہلے یا اسی کے زمانے میں تالیف ہوئیں یا اب چھپی ہیں، یا ابھی تک مخطوطوں کی شکل میں ہیں۔

---

[1] ROSEGARTEN P VIXX " ہم اللہ قیوم و قوی کی اعانت سے تاریخِ طبری کے دوسرے جز کے ترجمے کا آغاز کر رہے ہیں۔" عبد حقیر و فقیر خضر بن خضر بن حاجی حسن الآمدی (عفی اللہ عنہم بلطفہ الخفی) یوم پنجشنبہ ۱۲ رمضان ۹۳۵ھ "

" تاریخِ طبری کے جزء ثانی کا فارسی سے عربی میں ترجمہ تمام ہوا۔ عبد فقیر و حقیر الراجی الی رحمۃ ربہ خضر بن خضر ابن حاجی علی الآمدی (عفی اللہ عنہم) اور یہ شنبہ کی رات کو ۸ ربیع الآخر ۹۳۹ھ میں ہوا۔" جیسا کہ مطبوعہ نسخوں میں ہے۔ اس کا فارسی سے کیا ہوا ایک اور عربی ترجمہ لیڈن میں ہے۔

[2] دیکھئے وہ مختصر رسالہ جو دی خوے نے تاریخِ طبری کے دستیاب ہونے والے حصص کے بارے میں شائع کیا تھا۔

اس کے سلسلۂ اسانید کی پڑتال ابھی تک نہیں ہوئی ہے، جو تعداد میں بہت ہیں۔ اگرچہ بعض مستشرقین نے اس کتاب کو سرسری طور سے پڑھا ہے اور اس پر لکھا بھی ہے، اور بطور نقد اُن مصادر سے بھی گفتگو کی ہے جن سے طبری نے اپنی کتاب کی جمع و تالیف میں مدد لی ہے۔ مثلاً سیرۃ ابن اسحٰق، یا ابوالفضل احمد بن ابی طاہر طیفور[1] (المتوفی ۲۸۰ھ) کی تاریخِ بغداد جس کا صرف ایک جگہ ۲۵۰ھ کے حوادث کے ضمن میں حوالہ ملتا ہے[2]۔ اگرچہ اس نے تاریخِ بغداد سے بہت کچھ اخذ کیا ہے اور اس پر اعتماد کیا ہے جیسا کہ ہم آگے چل کر بحث کریں گے۔ بہرحال اس کتاب (تاریخ الطبری) کے تنقیدی و تحلیلی مطالعے کی ضرورت ہے۔ کیوں کہ یہ بہت وسیع اور پہلودار کتاب ہے۔ اور اسی ضرورت نے مجھے الطبری کے اسانید کی کھوج اور مطبوعات و مخطوطات سے اس کے مقابلے پر آمادہ کیا تاکہ علمی سطح پر اس کا ایک قابلِ اعتبار اور بھرپور تحقیقی مطالعہ کیا جا سکے۔

الطبری کی آزاد روی میرا خیال ہے کہ الطبری ضعیف راویوں کے لئے اپنے اوپر اہل الحدیث کی سی قیود عائد نہیں کرتا۔ چنانچہ اس نے اپنی تفسیر اور تاریخ دونوں میں الکلبی[3] کے اقوال شامل کئے ہیں اور اس کے بیٹے ہشام اور السدی کے بھی[4]۔ اور یہ لوگ ضعیف راویوں میں شمار ہوتے ہیں مگر الطبری اس میں کوئی ہرج نہیں سمجھتا۔

---

[1] تاریخِ بغداد، اس کے چھٹے جز کے سوا باقی کتاب معروف نہیں ہے اسے جرمنی زبان میں ترجمہ کیا جا چکا ہے جو H. KELLER نے شہر لیپزگ LEIPZIG میں چھاپا تھا (۱۹۰۸ء) اور انگریزی ترجمہ K.C. SCELYE نے کیا ہے جو ۱۹۲۰ء میں نیویارک سے شائع ہوا۔ XVI COLOMBIA UNIVERSITY ORIENTAL SERIES
المجمع العلمی العراقی نے مصنف کے خود نوشت مخطوطہ المنثور و المنظوم کی عکسی نقل حاصل کر لی ہے۔ "تاریخِ بغداد" حال ہی میں قاہرہ سے بھی چھپ گئی ہے۔ [2] الدورہ الثالثہ ص ۱۵۱۶ (طبع لائدن)۔ [3] الطبری: التفسیر ۱/۲۵۲ (طبعِ اول) مطبع امیریہ بولاق ۱۳۲۳ھ۔ [4] الطبری: التفسیر ۱/۱۹۴- ۲۵۴- ۲۵۹- ۳۲۹- ۳۳۰ وغیرہ۔
"مجھ سے موسیٰ بن ہارون نے کہا، کہ مجھ سے عمرو نے بیان کیا کہ ہمیں اسباط بن نصر نے السدی کے حوالے سے بتایا"
الشعبی سے کہا گیا کہ السدی کو علمِ قرآن سے کچھ حصہ ملا تھا یا نہیں؟ تو اس نے کہا کہ اسے جہلِ قرآن سے حصہ ملا تھا"
"سلم بن عبدالرحمٰن نے کہا کہ ابراہیم النخعی السدی کے پاس سے گذرے اور وہ لوگوں کو قرآن کی تفسیر بیان کر رہا تھا، تو انھوں نے کہا:

(باقی بر صفحہ آئندہ)

اس نے ردّہ لڑائیوں کے باب میں سیف بن عمر کو الواقدی پر ترجیح دی ہے۔ اسی طرح بعض دوسری فصلوں کا حال ہے۔ حالانکہ سیف مطعون ہے اور اس پر زندقے کا اتہام لگایا جاتا ہے، اور الطبری کی بھی اس کے بارے میں اچھی رائے نہیں ہے۔ تاریخ طبری اور تفسیر طبری کا شمار اُن کتابوں میں بھی کیا جاتا ہے جو اسرائیلیات سے بھری ہوئی ہیں، چنانچہ اس نے بہت سے ایسے مصادر سے مدد لی ہے جن کا سرچشمہ یہودیت ہے۔ مثلاً وہ کعب الاحبار، وھب بن منبہ، اور عراق کے رجال یہود سے روایات اخذ کرتا ہے، اسی طرح وہ نصرانی مآخذ کو بھی اپنا لیتا ہے مثلاً اس نے "ابن اسحٰق سے ابی عتاب" کی روایات لے لی ہیں، حالانکہ عتاب قبیلہ تغلب کا تھا، وہ پہلے نصرانی تھا، بعد میں اسلام[1] قبول کر لیا تھا۔ پھر اس نے بہت سے نصرانی قصے روایات میں ملا دیے۔ ایسے ہی اور لوگ بھی ہیں جن سے ابن اسحٰق روایت کرتا ہے۔[2]

تاریخِ طبری، بہت سے اہم اور قدیم تاریخی مصادر اور پرانی دستاویزات کا مجموعہ ہے جن میں بیشتر کے اصل متون دستبردِ زمانہ سے ضائع ہو چکے ہیں، الطبری نے اُن سب کتابوں سے نقل کیا ہے اور اُن کے اقتباسات کو مناسب مقامات پر درج کر دیا ہے، اور بنا بریں وہ روایات و نصوص کا ایک خزانہ بن گئی ہے جسے مؤلف نے (الطبری) بڑی توجہ اور تحقیق سے فراہم کیا ہے اور واقعات کے نقل کرنے میں حتی الوسع امانت اور غیر جانب داری کو ملحوظ رکھا ہے، یہی اسباب ہیں جن کی وجہ سے اس نے زمرۂ مورخین میں ایسی شہرت فائقہ حاصل کر لی ہے۔

(بقیہ حاشیہ ۲ صفحہ گذشتہ) دیکھو یہ قرآن کی قومی تفسیر کر رہا ہے۔" اور "جوزجانی نے کہا کہ مجھ سے معتمر نے، اس سے لیث یعنی ابن ابی سلیم نے بیان کیا، کہ اس نے کہا: کوفے میں دو ہی جھوٹے گذرے ہیں۔ ایک الکلبی اور دوسرا السدی۔" ہم السدی کے بارے میں آگے بحث کریں گے۔

ملاحظہ ہو: تہذیب التہذیب ۱/۳۱۴، ۹/۱۷۹۔

LIDZBARSKI, OF, 13 — المذاہب الاسلامیہ/۸۸،

[1] "محمد بن اسحٰق سے روایت ہے کہ ہم سے ایسے اہلِ کتاب نے کہا جو اسلام لے آئے تھے اور انھیں عجم کی تاریخ سے واقفیت تھی....." تفسیر طبری ۱۶/۱۲۔ المذاہب الاسلامیہ/۸۹۔

چناں چہ الطبری کی تاریخ اپنے مصادر کے مقابلے میں ایک ممتاز کتاب ہے اور آج کے مورخ کے لئے لازمی ہو جاتا ہے کہ وہ جدید طرز پر عربی تاریخ یا اسلامی فرقوں کی تاریخ لکھنے کے سلسلے میں اُن مصادر کی طرف رجوع کرے۔ کیوں کہ یہ کتاب اس کے لئے اصل مواد پیش کرتی ہے اور وہ دستاویزیں بھی جو مولف نے اپنے زمانے میں جمع کی تھیں اور اب زمانے کے ہاتھوں تاراج ہو چکی ہیں۔ لیکن آپ اس تاریخ میں ایک ناقد مورخ کا اسلوب نہیں پائیں گے نہ کوئی ایجابی رائے ملے گی بلکہ عمومی طور پر اس میں تنقیدی نگاہ کا فقدان ملے گا۔ اس کا انداز سہل ترین صورت میں سیاسی جنگوں یا افراد کے کارناموں کی عمومی تاریخ بیان کرنے کا ہے۔ اس میں آپ سماجی اور جماعتی معاملات کی طرف بھی کم رجحان پائیں گے۔ حوادث کی علتوں سے بحث یا اُن کا سراغ لگانے کی کوششیں بھی اس میں نہیں ہے۔ یہ ایک عام کمزوری ہے جس میں اکثر مورخین الطبری کے شریک ہیں۔[1]

ایک ہی واقعے کے بارے میں جتنی روایتیں اور اقوال مل سکتے ہیں الطبری ان سب کو یکجا کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور طبعاً وہ دوسروں پر چشم دید گواہوں کے بیان کو ترجیح دیتا ہے۔ کیوں کہ ان کی گواہی سے موقف کی تصویر میں خاص اثر پیدا ہوتا ہے اور اسے زیادہ دقیق اور محسوس شکل میں بیان کیا جا سکتا ہے، اسی لئے معاصرین کی خبروں اور حوادث کے سلسلے میں ہم عصروں کی شہادت کو وزن حاصل ہوتا ہے۔ اس سے قاری کو ان کے اقوال پڑھ کر اور اُن میں غور و تامل کرنے کے بعد اپنا ایک خاص ذہن بنانے میں مدد ملتی ہے۔ یہ ایک ایسا وصف ہے جو ہمیں اس زمانے میں لکھی ہوئی دوسری قوموں کی کتبِ تاریخ میں بہت کم ملتا ہے۔ اور اگر ہمیں تاریخِ طبری کے وہ اصلی نسخے دستیاب ہو جاتے جو اس نے پہلے پہل لکھے تھے اور جنھیں امتدادِ زمانہ نے ضائع کر دیا، اور وہ زیادہ مفصل نسخے تھے جن کی مدد سے تاریخ کے متداول اجزاء تیار ہوئے تھے، تو اس کتاب کی کچھ اور ہی شان ہوتی۔ اور ہم ان

---

[1] علم التاریخ ترجمہ عبدالحمید العبادی ص ۶۹

ANNALES QUOS SCRIPSIT ABU DJAFAR MOHAMMED IBN DJARIR AL-TABARI. BY DE GOEJE IN TRODUCTIO, GLOSSARIUM ET EBENDA LUGD. 1901 P. XXVII

نسخوں کی مدد سے بہت سی وہ باتیں جان لیتے جن کا علم متداول مختصر نسخوں سے نہیں ہوتا — میں اسے "مختصر" کہہ رہا ہوں حالانکہ یہ بہت ضخیم اور دوسری کتابوں کی نسبت باعتبار مواد بھی زیادہ مالدار ہے — اس کتاب نے اسلامی تاریخ کے بعض نازک اور اہم مسائل کے بارے میں ہمارے نقطہ ہائے نظر اور احکام تبدیل کر دیے ہیں۔

بنیادی مواد کو فراہم کرنا اور پچھلی تاریخی کتابوں کے متن کو یا دستاویزوں اور ایک دوسری سے مختلف شہادتوں کو فراہم کرنا پھر انھیں ایک کتاب میں مدوّن کر دینا۔ چاہے اچھا اور پسندیدہ طریقہ رہا ہو، مگر آج اس نے ہمیں بہت فائدہ پہنچایا ہے۔ صرف یہ ہے کہ اس طریقے نے رُواۃ اور اَخباریوں کو بعض ایسے اہم واقعات اور مسائل میں تفتیش کرنے سے باز رکھا جنھیں جزوی و ثانوی امور میں استقصاء کی جگہ اہمیت دی جانی چاہیے تھی۔ کبھی تو وہ بہت ہی معمولی باتوں کے پیچھے پڑ گئے، کبھی انھیں باتوں کو تھوڑے سے ردو بدل کے ساتھ اکثر مواقع پر دہرانے لگے، اب خواہ یہ ترمیم لفظی ہو یا عبارت میں ہو اس کی چنداں اہمیت نہیں۔

غرض انھوں نے روایتوں میں گڈ مڈ کر دی، آراء کو پسِ پشت ڈال دیا یا ثانوی شخصیتوں کو صفِ اوّل کی ایسی شخصیات میں خلط ملط کر دیا جن کو نفسِ واقعہ میں محوری حیثیت حاصل ہونا چاہیے تھی۔ پھر انھوں نے کسی حادثے میں کلی پھندنے لگانے شروع کر دیے، اس طرح اصل موضوع سے نکل کر ایسے موضوعات میں جا پڑے جن کا نفسِ واقعہ سے کچھ علاقہ نہیں اور جو محض گفتگو میں بھٹکنے کی وجہ سے سامنے آ گئے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ راوی یا اس کی روایت کا ناقل تاثیرِ بیان کے تحت اصل حادثے کو تو بھول گیا اور اخبار کے اسلوب سے نکل کر ادبی روایات کے ڈھرّے پر آ گیا: یعنی مجلسی قصے جن میں بات سے بات نکلا کرتی ہے۔ پھر اپنے موضوع سے اتنا بھٹکا کہ اصل سے بالکل ہی دور جا پڑا، اور آخر بیان کرنے والا یہ بھی بھول گیا کہ بات کہاں سے چلی تھی۔

الطبری نے رسولوں اور نبیوں کی تاریخ کا مواد دو ماخذوں سے فراہم کیا۔ ایک تو سیرۃ کی کتابوں سے، دوسرے کتبِ تفسیر سے۔ خاص طور سے عبداللہ ابن عباس کے شاگردوں کی تفسیروں سے یا اس مدرسۂ فکر سے متاثر ہونے والوں کی تفاسیر سے — مگر فارس کی تاریخ کا مواد ان فارسی کتابوں سے اخذ کیا ہے جو عربی میں ترجمہ ہو چکی تھیں۔ خصوصاً ابن المقفع کی تصانیف یا ابن الکلبی کی کتابوں سے، جس کے پاس عجم کی تاریخ کا وسیع علم تھا۔ اس نے فارس کی تاریخ بیان کرنے میں اسناد وغیرہ کی پابندی بھی ملحوظ نہیں رکھی ہے اس سے ظاہر ہے کہ اس نے

یہ تاریخی مواد کتابوں سے بلا واسطہ نقل کیا ہے۔ بعض فصلوں کو اس نے ایسی عبارتوں سے شروع کیا ہے: "عرب و عجم کی پرانی قوموں کے حالات جاننے والے بعض علماء نے ذکر کیا ....."[1] یا ایسی عبارتیں بکثرت ہیں: "ھشام بن محمد الکلبی سے[2] روایت کی گئی ہے کہ اس نے کہا...؛" یا "اُن میں سے بعض نے کہا کہ......"[3] یا "بعض اہلِ عجم کا خیال ہے[4]....." یا "بعضوں نے کہا ہے[5]...." یا ھشام کے سوا لوگوں نے کہا...."[6]

ان وجوہ سے ہم اِن ابواب میں جو کچھ بیان ہوا ہے اس کا مقابلہ دوسری کتابوں سے کرنے اور ان کے ماخذ متعین کرنے سے خود کو عاجز پاتے ہیں، کیوں کہ یہ شاید اس نے اوروں کی کتابوں سے نقل کیا ہے اس کی بعض عبارتیں اسی پر دلالت کرتی ہیں مثلاً یہ کہ: "..... قال و ذکر غیر ھشام اَنّ...[7]" اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ وہ کسی اور شخص کا قول نقل کر رہا ہے اور اسے جس طرح اس شخص نے بیان کیا ہے ویسے ہی یہ اقتباس کر رہا ہے اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے مؤلف سے اخذ کیا ہے حالانکہ ایسا ہوتا تو وہ اس کا نام بھی درج کرتا۔ دراصل یہ الطبری کی عادت ہے کہ جب وہ کسی کتاب سے کچھ نقل کرتا ہے تو مؤلف کا نام گھما جاتا ہے۔

زمانہ ماقبل اسلام کی اکثر تاریخ اس نے ھشام بن الکلبی سے لی ہے۔ خصوصاً عراقی تاریخ کا حصہ اسی کا ہے اور وہ اس کی روایت میں منفرد تھا[8] اور جو حصہ تاریخِ یمن سے مخصوص ہے۔ وہ سیرۃ ابن اسحٰق سے لیا گیا ہے اور ابن اسحٰق نے اس کا اکثر حصہ وھب بن منبہ اور محمد بن کعب القرظی سے لیا ہے۔ جو اسلام قبول کرنے سے پہلے یہودی تھے۔[9] رہی تاریخِ روم، یہ بہت ہی کمزور حصہ ہے، ملوک فرس کے بارے میں الطبری نے جو کچھ لکھا ہے اس معیار سے یہ کچھ بھی نہیں ہے۔

---

1. الطبری ۱/۲۹۳ (اور دوسرے مواقع)
2. الطبری ۱/۲۹۵، ۲/۲، ۴، ۲۷، ۳۷ وغیرہ
3. ملاحظہ ہو فارس اور حیرہ کی تاریخ
4. "وزعم بعض اصحاب الاخبار" الطبری ۲/۶۲
5. "وقال غیرہ" الطبری ۲/۵۶
6. فاما ابن حمید فانہ حدثنا" الطبری ۲/۳۷ یہاں اس نے سند یا کتاب کا ذکر نہیں کیا۔ نیز الطبری ۲/۴
7. الطبری ۲/۶۔
8. الطبری ۲/۲۷، ۲۸، ۷۲، ۸۶، ۸۹ (وغیرہ مقامات)
9. الطبری ۲/۳۸، ۹۴، ۹۶، ۹۷، ۱۰۰ (محمد بن کعب القرظی الکوفی متوفی ۱۰۸ھ وبقول بعض ۱۱۷ھ شذرات الذہب ۱/۱۳۶)

تاریخ کا جو حصہ سیرۃ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے متعلق ہے اس میں سیرۃ ابن اسحٰق کو تقدم حاصل ہے۔ پھر اُن دوسری کتابوں کا نمبر ہے جو سیرۃ اور مغازی کے موضوعات پر لکھی گئیں، اس حصے میں الطبری نے اُن بہت سے لوگوں کی ابتدائی روایات اور اقوال محفوظ کر دیے ہیں جو اس موضوع سے شغف رکھتے تھے۔ مثلاً:

ابان بن الخلیفہ عثمان بن عفان (متوفی ۱۰۵ھ) اور عروۃ بن الزبیر بن العوام (متوفی مابین ۹۱ھ و ۱۰۱ھ) اور شرحبیل بن سعد (متوفی ۱۲۳ھ) موسیٰ بن عقبہ (متوفی ۱۴۱ھ) عاصم بن عمر بن قتادہ (متوفی ۱۲۰ھ)[1] ابن شہاب الزہری وغیرہ۔ ان لوگوں کے بارے میں ہم مناسب محل پر قدرے تفصیل سے گفتگو کریں گے۔

ردّہ لڑائیوں کا حال الطبری نے سیف بن عمر الاسدی کی کتاب سے اخذ کیا ہے[2] اور وہ اسے دوسرے اُن لوگوں پر ترجیح دیتا ہے جو ردّہ کے اخبار سے واقف سمجھے جاتے ہیں۔ مثلاً کتاب الردّہ کا مؤلف الواقدی، یا المدائنی کہ وہ بھی[3] ردّہ کے موضوع پر ایک کتاب کا مصنّف ہے۔ الطبری فتوح کے اخبار اور خلفائے راشدین کے زمانے کے حوادث کے لئے سیف پر بھروسا کرتا ہے۔ کیوں کہ ہم اس کے اخبار کو اُن لوگوں کی روایات سے بھی مقدم پاتے ہیں جنھیں ہم پیش رو کی حیثیت سے جانتے ہیں مثلاً المدائنی یا ابن الکلبی یا الواقدی وغیرہ حالانکہ وہ (سیف بن عمر) اکثر مؤرخوں اور محدثوں کے نزدیک ضعیف ہے۔

سیف بن عمر کی آواز معرکۂ جمل کے خاتمے پر دھیمی ہوتی جاتی ہے۔ اور اب جنگِ صفین سے ایک نئی صدا ابھرتی ہے یہ ابو مخنف الازدی کی ہے۔ یہ صفین اور اس کے بعد کے واقعات پر الطبری کے معتبر راویوں میں سے ہے، اس کی تائید اور اعانت المدائنی، عوانہ، الواقدی، عمر بن شبہ اور ابن الکلبی کرتے ہوئے ملتے ہیں۔

---

[1] تہذیب التہذیب ۵/۵۴، ان کی تاریخِ وفات ۱۲۶ھ یا ۱۲۷ھ اور ۱۲۹ھ بھی منقول ہوا ہے۔

ابان بن عثمان بن عفان، عبداللہ بن ابی بکر کے معلّم تھے جن کا نام تاریخِ طبری میں آتا ہے۔

تہذیب التہذیب ۱/۹۷۔ ابان کا نام تاریخِ طبری میں متعدد جگہ آیا ہے۔

[2] الفہرست /۱۴۴ [3] الفہرست /۱۴۹

پھر دولتِ عباسیہ کے وقائع آتے ہیں۔ یہاں الطبری نے بہت سے آخذ کے علاوہ ابن ابی خثیمہ، احمد بن زہیر کی کتابوں سے بہت مدد لی ہے جو مشہور مورخین میں شمار ہوتا ہے۔ اسی سے الطبری نے دولتِ امویہ کے آخری ایام اور دولتِ عباسیہ کے اوائل کی خبریں نقل کی ہیں، اس کے علاوہ المدائنی، عمر بن راشد، الھیثم بن عدی وغیرہ اس کے ماخذ ہیں جن سے ہم آئندہ بحث کریں گے۔

(۲) تاریخ ماقبل اسلام

مورخینِ عرب کی لکھی ہوئی عام تاریخوں میں جو اسلام سے قبل کے زمانے (فترہ) سے بحث کرتی ہیں۔ جو رنگ سب سے زیادہ نمایاں ہے وہ خیالی اور قصصی اسلوب ہے اور اسے ان کا سب سے طویل حصّہ بھی کہا جا سکتا ہے اور اس میں اُن مذہبی اساطیر اور حکایات نے خوب اضافے کر دیئے ہیں جن کا مرجع انسان کے قدیم تاریخی واقعات و تجربات ہیں، جن میں فکر کی سادگی اور بے تکلّفی کو پہلا درجہ حاصل ہے۔ اور اسرائیلیات کا مواد بھی بڑی مقدار میں ہے جس کے مصادر کی ہم عہد نامۂ قدیم میں تحقیق کر سکتے ہیں کیوں کہ اُس میں بتوں سے متعلق قومی اساطیر ہیں۔ لیکن یہ حصّہ اسرائیلیات، تاریخ ماقبلِ اسلام کے دوسرے عناصر کی نسبت کم ہے۔

ہمیں اس حصّے کو تاریخِ طبری میں شامل دیکھ کر تعجب نہیں ہونا چاہیئے کیوں کہ الطبری نے اپنی تاریخ کو دو حصّوں میں تقسیم کیا ہے جیسا کہ اس کے عنوانوں سے ظاہر ہو جاتا ہے: ان میں پہلا حصہ تاریخ الرسل کا ہے۔ اور دوسرا تاریخ الملوک پر مشتمل ہے جس میں خلفاء کی تاریخ بھی شامل ہو گئی ہے۔ اس نے پہلے حصّے میں تو وہ ساری روایتیں اور اقوال جو انبیاء کے بارے میں اسے معلوم ہوئے بغیر تنقید کیئے جمع کر دیئے ہیں، اس نے یہ پروا بھی نہیں کی کہ پڑھنے والا ان اقوال سے کیا فائدہ حاصل کر سکے گا۔ ہم پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ وہ ایک عالم اور محدث تھا اور ایسے حضرات کی خصوصیت کثرتِ حفظ رہی ہے چناں چہ وہ یہ چاہتا ہے کہ جو کچھ علم کا سرمایہ اس کے پاس ہے وہ سارا پڑھنے والوں تک پہنچا دے۔

الطبری نے اپنی تاریخ "زمانے" کی بحث سے شروع کی ہے۔ زمانہ کیا ہے؟ اس کی ابتداء اور انتہا کیا ہے؟ اوقات اور زمانے، دن اور رات کیسے پیدا ہوئے اور کیا خدا نے زمانے اور لیل و نہار کی تخلیق سے پہلے بھی کچھ پیدا کیا تھا؟ پھر اس نے 'قدیم' اور 'اوّل' سے بحث کی ہے، جو خدا ہے، جس نے

زمانے کی آفرینش کی اور جو ہر شے کا کرتا رہے۔ اس کے بعد آفرینش کی ابتداء اور اُن دنوں کی بحث ہے جن میں خدا نے کائنات کو پیدا کیا، پھر آدمؑ کا پیدا ہونا اور ان کا آسمان سے زمین پر اترنا اور وہ جگہ جہاں آدم وحوا نے پہلی بار قدم رکھا، پھر آدم کے عہد کے واقعات وغیرہ کا ذکر کرتا ہوا طوفانِ نوحؑ کے قصے تک آتا ہے اور اُن نبیوں اور رسولوں کی حکایات بیان کرتا ہے جو اسلام سے پہلے گذرے ہیں۔

یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ تدوین تاریخ میں یہ طریقہ جس مورخ نے سب سے پہلے اختیار کیا وہ سکتس یولیوس افریقانوس (افریقی) SEXTUS JULIUS AFRICANUS تھا جو تیسری صدی عیسوی میں ہوا ہے۔[1] اس نے ابتدائے آفرینش سے ۲۲۱ء تک کی دنیا کی تاریخ لکھی تھی، اس کے بعد مورخ یوسیبوس (EUSEBIUS) [۲۶۷ - ۳۴۰ء] ہوا جو قیساریوں کا اسقف (پادری) تھا اور کلیسائی تاریخ نگاری کے بانیوں میں سے ہے۔ اس نے اپنی کتاب CHRONICA میں دنیا کی تاریخ کو اس طرح مدوّن کیا تھا کہ پہلے پیدائش کا بیان کیا پھر آدم کا قصہ، اُن کا حوّا کے ساتھ آسمان سے زمین پر اترنا۔ پھر طوفانِ نوح کا واقعہ، ابراہیم کا قصہ، پھر داؤد کے تذکرہ سے حضرت عیسیٰ کے ظہور تک بیان ہوا۔ اس سلسلے میں جو کچھ توراۃ میں بیان ہوا ہے وہ اس نے تاریخ میں درج کر دیا۔ یہ اسلوبِ تاریخ نگاری مورخوں کا پسندیدہ انداز بن گیا، اور مسلمانوں، یہودیوں اور عیسائیوں کے محتاط مورخوں کے لئے جو تاریخِ عالم سے بحث کرتے ہوں، ایک مکمل نمونہ قرار پا گیا۔ ان مورخوں کے بعد جو لوگ آئے انھوں نے اسی میں جولیات کا اضافہ کر کے اس تاریخِ قدیم کا سلسلہ اپنے زمانے تک مربوط کر لیا مگر انھوں نے اس کی عام روش میں کچھ تبدیلی نہیں کی، یعنی پہلے آفرینش کے بیان میں تاریخ CHRONICLES کی تکنیک، پھر اس میں جولیات (ANNALES) کا اضافہ،[2] جو اسے مورخ کے زمانے تک ملا دے۔ اسی نہج پر الطبری نے اپنی تاریخ الرسل والملوک میں عمل کیا ہے۔ اور اس سے قبل بظاہر وھب بن منبہ اور ابن اسحٰق بھی اسی طریقے کے پیرو رہے ہیں۔ (باقی)

---

(1) BERNHEIM : EINLEIKUNG P. 81

(2) the Encyclopaedia Britannica (14 th ed.) Vol 11, Article: EUSEBIUS